

## اسلام میں انسانی حقوق کا تصور

ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی

اسلام نے فرد کو فکر و نظر کی پوری آزادی عطا کی۔ اس نے انسان کو جبری غلامی، معاشی استحصال، سیاسی جبر اور مذہبی اکراہ کی بندشوں سے پوری طرح آزاد کیا۔ آج جدید دور میں فکری آزادی کا سہرا فرانسیسی مفکر و فلسفی جان جاک روسو (۱۷۷۸ء-۱۷۱۳ء) کے سر باندھا جاتا ہے، جس نے کہا تھا: انسان آزاد پیدا ہوا تھا مگر آج وہ ہر جگہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ درحقیقت یہ اُس فرمان کی صدا ہے، جو امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے گورنر مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کو تنبیہ کرتے ہوئے جاری کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: ”تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنانا شروع کر دیا حالانکہ اُن کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا؟“

اسلام نے آزادی ضمیر کی خاطر انسان کے شعور و احساس کو بیدار کیا اور قانون سازی کے ذریعے خارجی حالات کو بھی سازگار بنایا۔ اللہ پر ایمان، اُمت مسلمہ کی وحدت، افراد کے اندر ذمہ داریوں کے اشتراک کا تصور، ساری انسانیت کی وحدت اور اس میں باہمی کفالت کا اصول، یہ وہ بنیادی قدریں ہیں جن پر زور دے کر اسلام کامل آزادی ضمیر کا نعرہ بلند کرتا ہے۔

عقیدہ توحید کے ذریعے قرآن انسانی ضمیر کو غیر اللہ کی عبادت و اطاعت سے آزاد کرتا ہے۔ وہ اس فکر کو ذہن نشین کراتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو انسان پر اقتدار حاصل نہیں ہے۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اسے مارتا جلاتا ہو۔ کوئی دوسرا نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اس کائنات میں بس وہی ایک ہستی ہے جو رزق عطا کرتی ہے اس کے سوا سب اس کے بندے ہیں مجبور اور بے بس۔

اسلام نے نبیوں کو بھی یہ حق نہیں دیا کہ ان کی پرستش کی جائے یا ان کے تین مراسم عبودیت بجالائے جائیں۔ اللہ رب العزت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی پوزیشن خلقِ خدا کے سامنے واضح کر دیں اور اپنا درست موقف علانیہ پیش کر دیں:

اے نبی! کہو کہ میں تو اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ کہو میں تم لوگوں کے لیے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں نہ کسی بھلائی کا۔ کہو مجھے اللہ کی گرفت سے کوئی بچا نہیں سکتا اور نہ میں اس کے دامن کے سوا کوئی جاے پناہ پاسکتا ہوں۔ (الجن ۲: ۲۰-۲۲)

قرآن ہر طرح کے تقدس اور اُلُوہیت پر ضرب کاری لگاتا ہے تاکہ انسان شرک سے پوری طرح محفوظ رہے۔ شرک کا عقیدہ انسان کے ضمیر کو پکچل دیتا اور اس کے وجدان کو دبا دیتا ہے اور آخر کار اسے اللہ کے بندوں ہی میں سے کسی کا بندہ بنا کر رکھ دیتا ہے۔ اسلام کا پورا زور اس بات پر ہے کہ بندے اور اللہ کے درمیان براہِ راست تعلق مستحکم ہو۔

انسانی ضمیر بندوں کی غلامی سے آزاد ہو کر اور خدا سے براہِ راست رابطہ قائم کر کے، ہر قسم کے اندیشوں، خطرات، وسوسوں سے بلند ہو جاتا ہے۔ جان و مال اور شرف و کرامت کو لاحق خطرے انسان کی خودداری اور اس کی عزتِ نفس کو مجروح کر دیتے ہیں، اسے ذلت کو انگیز کرنے اور اپنے جائز حقوق سے دست بردار ہو جانے پر مجبور کر دیتے ہیں اور رفتہ رفتہ اس کی انسانیت کو بھی چھین لیتے ہیں۔ اسلام ہر قیمت پر عزتِ نفس اور خودداری کی حفاظت کرنے کی تلقین کرتا ہے اور انسانوں کے عز و شرف کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ وہ یہ عقیدہ انسان کے ذہن نشین کرتا ہے کہ زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے۔

### تاریخ کی شہادت

اسلام کی ان تعلیمات اور اقدار کے نتیجے میں ایک ایسا معاشرہ نمودار ہوا جس کا ہر فرد آزادیِ ضمیر کا نمونہ تھا۔ کیا حکمراں، کیا رعایا، سب خوددار، عزتِ نفس سے مالا مال، انظہارِ حق میں جری و بے باک تھے۔ انھیں کوئی لالچ یا خوف بزدل نہیں بنا سکتا تھا۔ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں حضرت عمر فاروقؓ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے:

● حضرت عمرؓ نے اپنے گورنروں کو فرمان بھیجا کہ وہ حج کے موقع پر مکہ میں ان سے آ کر ملیں۔ جب سب جمع ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے تقریر کی: ”لوگو! میں ان عُثمٰل کو اس لیے مقرر کرتا ہوں کہ راست روی کے ساتھ تمہاری سرپرستی اور حفاظت کریں۔ میں نے انہیں اس لیے ہرگز مقرر نہیں کیا ہے کہ تمہاری جان و مال اور عزت و آبرو پر دست درازی کریں۔ لہذا اگر تم میں سے کسی کو کسی عامل کے خلاف ظلم و زیادتی کی شکایت ہو تو کھڑا ہو جائے۔“

لوگوں کے درمیان سے ایک شخص آگے نکل کر آیا اور اس نے کہا: امیر المؤمنین! آپ کے گورنر نے مجھے ناحق ۱۰۰ اکوڑے مارے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: کیا تم اسے ۱۰۰ اکوڑے مارنا چاہتے ہو؟ آؤ اور اس سے انتقام لو۔

اس پر حضرت عمرو بن العاصؓ کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے احتجاج کیا: امیر المؤمنین! اگر آپ نے اپنے گورنروں کے ساتھ یہ عمل شروع کر دیا تو انہیں سخت گراں گزرے گا۔ یہ ایک مستقل طریقہ بن جائے گا جس پر آپ کے بعد بھی لوگ عمل کریں گے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: پھر کیا میں اس آدمی کو بدلہ نہ دلاؤں، جب کہ میں نے اللہ کے رسولؐ کو خود اپنی ذات سے بدلہ دلاواتے دیکھا ہے۔ پھر اُس آدمی کو خطاب کر کے حکم دیا: آؤ اور اس گورنر سے بدلہ لو۔ عمرو بن العاصؓ نے درخواست کی کہ ہمیں اجازت دیجیے کہ اس آدمی کو راضی کر لیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: تمہیں اجازت ہے۔ ان لوگوں نے مظلوم کو ۲۰۰ دینار کے بدلے میں راضی کر لیا۔

● حضرت عمرؓ ہی کا دوسرا واقعہ ہے۔ آپ مسجد میں خطاب فرما رہے تھے۔ دورانِ تقریر آپ نے فرمایا کہ لوگو، اگر میرے اندر کوئی کجی دیکھو تو مجھے سیدھا کر دینا۔ نمازیوں کے درمیان سے ایک شخص کھڑا ہوا، اس نے کہا: عمر! اگر ہم نے تیرے اندر کوئی کجی دیکھی تو اپنی تلوار کی دھار سے تجھے سیدھا کر دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے صرف اتنا فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے عمر کی رعایا میں ایسے افراد بھی پیدا کیے ہیں جو اُسے اپنی تلوار کی دھار سے سیدھا کر سکتے ہیں۔

● عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور (م ۱۵۸ھ/ ۷۷۵ء) کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ مشہور محدث سفیان ثوریؒ اس کے دربار میں جا کر اسے نصیحت کرتے ہیں: امیر المؤمنین! آپ نے اللہ اور

اُمّت محمدیہ کا مال اُن کی مرضی و اجازت کے بغیر خرچ کیا ہے۔ آپ اس کی کیا توجیہ کر سکتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے ایک بار حج کیا جس میں اُن پر اور ان کے ساتھیوں پر ۱۶ دینار خرچ ہوئے۔ انھوں نے محاسبہ کیا اور فرمایا: میرا خیال ہے کہ ہم نے بیت المال پر زیادہ بار ڈال دیا ہے۔ امیر المؤمنین! آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ منصور ابن عمار نے ہم کو کیا حدیث سنائی ہے کیونکہ آپ اس مجلس میں موجود تھے اور سب سے پہلے آپ ہی نے اسے قلم بند کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ اور اس کے رسول کے مال میں اپنی خواہش کے مطابق تصرفات کرنے والے کچھ لوگ ہیں جن کے لیے کل کو نارِ جہنم مقدر ہے۔“

یہ سن کر ابو عبید نامی ایک کاتب جو خلیفہ کا مقرب خاص تھا، بول اُٹھا: امیر المؤمنین سے اس انداز میں گفتگو؟ سفیان ثوری نے ڈانٹ کر کہا: ”خاموش، فرعون نے ہامان کو ہلاک کیا اور ہامان نے فرعون کو“۔ اور پھر سفیان ثوری غصے میں اُٹھ کر باہر چلے آئے۔

جابر بادشاہ کتنا ہی خود مختار ہو، کسی ایسے شخص پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا جو دنیا اور متاع دنیا کو اپنی ٹھوکروں میں رکھتا ہو اور ضروریات سے بلند ہو کر اللہ کے لیے فارغ ہو۔

### مذہبی جبر کی مخالفت

بلاشبہ اسلام اللہ کا بھیجا ہوا آخری دین ہے جو انسانوں کے تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ یہ وہی دین ہے جسے تاریخ انسانی کے ہر دور میں مختلف انبیاء مختلف قوموں اور تہذیبوں میں انسانوں کی اصلاح و ہدایت کے لیے پیش کرتے رہے۔ ان شریعتوں کو ماننے والوں کے درمیان قوانین میں اختلاف ہوا کہ ہر دور کے حالات اور تقاضے مختلف تھے، مگر دین اپنی روح کے اعتبار سے اور اپنی مجموعی حیثیت میں ایک ہی رہا۔ اُسی دین کی تبلیغ و اشاعت کے لیے حضرت آدمؑ تشریف لائے۔ حضرت نوحؑ مبعوث ہوئے۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ غرض یہ کہ سارے نبی ایک ایک کر کے اپنی قوم میں آتے رہے اور وحدانیت کا پیغام دیتے رہے۔

سورہ مائدہ میں قرآن کی دو صفات بیان ہوئی ہیں: یہ کتاب تصدیق کرنے والی ہے اُن تعلیمات کی جو اس سے پہلے الکتاب میں سے موجود ہیں، اور اس کی محافظ اور نگہبان ہے۔ (۵: ۴۸)

قرآن کچھلی آسمانی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے اور جو تحریفات اور تبدیلیاں اُن کے

پیروکاروں نے ان کے اندر کردی تھیں اُن کی نشان دہی کرتا اور اُن سے نوع انسانی کو بچاتا ہے۔ مگر قرآن کا امتیاز یہ ہے کہ وہ کسی شخص پر اپنے عقیدے کو مسلط نہیں کرتا۔ وہ افہام و تفہیم اور تعلیم و تلقین کا قائل ہے اور جبر و اکراہ، تشدد اور دھونس دھاندلی کو بالکل مسترد کر دیتا ہے۔ اپنی صداقت اور حقانیت پر پوری طرح مطمئن ہونے کے باوجود وہ اعلان کرتا ہے کہ: ”دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے“۔ (البقرہ ۲: ۲۵۶)

اسلام نے دنیا میں پہلی بار ہر شخص کو یہ آزادی عطا کی کہ کفر و ایمان میں سے جو راہ وہ چاہے اختیار کرے۔ مکہ کے ۱۳ سالہ دور میں مسلمانوں نے ہر ظلم و جبر کو برداشت کیا، اسی مذہبی آزادی کے حق کو حاصل کرنے کے لیے اور بالآخر یہ حق حاصل ہو کر رہا۔ مسلمانوں نے یہ حق جس طرح اپنے لیے حاصل کیا، اسی طرح دوسروں کے لیے بھی اس کا پورا پورا اعتراف کیا۔

#### وسق رومی کا واقعہ

یہاں خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے دور کا ایک واقعہ نقل کرنا مفید ہوگا۔ یہ واقعہ اُس شخص کا ہے جو دنیا کی ایک بہت بڑی مملکت کا سربراہ تھا۔ جس کے جلال و جبروت کا یہ عالم تھا کہ روم و فارس کی دو عظیم طاقتیں اس کے ذکر سے لرزتی تھیں۔ ملوک و سلاطین اس کے سامنے ہانپتے کانپتے حاضر ہوتے تھے، مگر وہ مقتدر اور باجبروت شخص اپنے غلام کا مذہب اپنی مرضی کے مطابق تبدیل نہ کر سکا۔ علامہ ابوبکر جصاص احکام القرآن میں اس واقعے کو بیان کرتے ہیں: ہلال الکافی روایت کرتے ہیں وسق الرومی سے، وہ بیان کرتے ہیں کہ: میں عمرؓ کا غلام تھا۔ انھوں نے مجھ سے فہمائش کی کہ اسلام قبول کر لے۔ اگر تو مسلمان ہو جائے تو مسلمانوں کی امانت کے سلسلے میں تو میرا مددگار ہو جائے گا، کیونکہ جو شخص مسلمان نہ ہو اُس سے یہ کام لینا مناسب نہیں ہے۔ مگر میں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا: لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ (دین میں کوئی زور بردستی نہیں ہے)۔ جب آپ کا وقت مرگ قریب آیا تو آپ نے مجھے آزاد کر دیا اور فرمایا: ”تیرا جہاں جی چاہے چلا جا“۔

اسلام کے نظریہ رواداری کی بہترین ترجمانی قرآن پاک کی یہ آیت کرتی ہے:

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ فَذَتَّيِّنَ الرُّشْدِ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ ۲: ۲۵۶) دین کے

معاملے میں کوئی زور بردستی نہیں ہے۔ صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔

یہاں دین سے مراد وہ عقیدہ ہے جس کی بنیاد خالصتاً توحید پر رکھی گئی ہے اور وہ نظام زندگی ہے جو اس عقیدے پر بنتا ہے۔ اللہ کا واضح فرمان ہے کہ اسلام کا یہ عقیدہ اور اس کا اعتقاد ہی، اخلاقی اور عملی نظام کسی پر زبردستی نہیں ٹھونسا جاسکتا۔ یہ ایسی چیز ہی نہیں ہے جو کسی کے سر جبراً منڈھی جاسکے۔

### قرآن کی وسیع المشربی

عقیدہ و مذہب کی آزادی، دوسرے مذاہب، تہذیبوں اور روایات کے تئیں وسیع المشربی و رواداری اسلام کی ایک اہم ترین قدر ہے جس پر قرآن کریم نے مختلف انداز میں اور متنوع پیرایے میں زور دیا ہے۔ قرآن اعلان کرتا ہے:

ہم نے تم انسانوں میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی ہے۔ اگر تمہارا خدا چاہتا تو تم سب کو ایک اُمت بھی بنا سکتا تھا، لیکن اُس نے یہ اس لیے کیا کہ جو کچھ اُس نے تم لوگوں کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ (المائدہ ۵: ۴۸)

ہر اُمت کے لیے ہم نے ایک طریق عبادت مقرر کیا ہے جس کی وہ پیروی کرتی ہے، پس اے نبی، وہ اس معاملے میں تم سے جھگڑا نہ کریں تم اپنے رب کی طرف دعوت دو۔ (الحج ۲۲: ۶۷)

قرآن کریم نے یہ صراحت بھی کر دی کہ اگر اللہ کی خواہش یہ ہوتی کہ اس کی زمین میں کفر و نافرمانی کا سرے سے وجود ہی نہ ہو تو اس کے لیے کچھ مشکل نہ تھا کہ تکوینی جبر سے کام لے کر سب کو صاحب ایمان بنا دے۔ مگر وہ ایمان لانے یا نہ لانے کے معاملے میں سارے انسانوں کو آزاد رکھنا چاہتا ہے اور اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے اللہ نے وضاحت فرمادی کہ نبی کی ذمہ داری کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کی نہیں ہے اور نہ اللہ کو جبری ایمان مطلوب ہے۔ فرمایا:

اگر تیرے رب کی مشیت یہ ہوتی تو سارے اہل زمین ایمان لے آئے ہوتے۔ پھر کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں؟ (یونس ۱۰: ۹۹)

اسلام نے صرف نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے ہی کو واجب قرار نہیں دیا،

بلکہ ایک مسلمان کے لیے لازم قرار دیا کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے تمام نبیوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور ان کی صداقت و حقانیت کو تسلیم کرے اور اُن کے درمیان اس لحاظ سے کوئی تفریق نہ کرے کہ فلاں نبی حق پر تھا اور فلاں حق پر نہ تھا، یا یہ کہ وہ فلاں کو مانتا ہے اور فلاں کو نہیں مانتا۔ خدا کی طرف سے جتنے پیغمبر بھی آئے، سب کے سب ایک ہی صداقت اور ایک ہی راہِ راست کی طرف بلانے آئے۔ اب جو شخص حق پرست ہے اُس کے لیے تمام پیغمبروں کو برحق تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں۔ جو لوگ کسی پیغمبر کو مانتے اور کسی کا انکار کرتے ہیں وہ حقیقت میں کسی پیغمبر کو نہیں مانتے۔ انہوں نے اُس عالم گیر صراطِ مستقیم کو نہیں پایا جسے حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ یا کسی دوسرے پیغمبر نے پیش کیا تھا، بلکہ وہ محض باپ دادا کی تقلید میں ایک پیغمبر کو مان رہے ہیں۔ اُن کا اصل مذہب نسل پرستی کا تعصب اور آباؤ اجداد کی اندھی تقلید ہے، نہ کہ کسی پیغمبر کی پیروی۔ قرآن کہتا ہے:

مسلمانو! کہو کہ ”ہم ایمان لائے اللہ پر اور اُس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے تمام پیغمبروں کو اُن کے رب کی طرف سے دی گئی تھی۔ ہم اُن کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے مسلم ہیں“۔ (البقرہ ۲: ۱۳۶)

قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے مسلمانوں کے ذہن میں اس تعلیم کو راسخ کرنا چاہتا ہے کہ وہ اس دنیا میں داعی اور مبلغ بنا کر بھیجے گئے ہیں اور کو تو ال اور دار و غمہ بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ اُن کا کام لوگوں کو روشنی دکھانا ہے زبردستی ہاتھ پکڑ کر خواہی نخواہی کسی کو راہِ راست پر لانا اُن کا مشن نہیں ہے:

اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو (وہ خود ایسا بند و بست کر سکتا تھا کہ) یہ لوگ شرک نہ کرتے۔ تم کو ہم نے ان پر پاسبان نہیں مقرر کیا ہے اور نہ تم ان پر حوالہ دار ہو۔ اور (اے مسلمانو!) یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔ ہم نے تو اسی طرح ہر گروہ کے لیے اس کے عمل کو خوش نما بنا دیا ہے۔ پھر انہیں اپنے رب ہی کی طرف پلٹ کر آنا ہے، اُس وقت وہ انہیں بتا دے گا کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں۔ (الانعام ۶: ۱۰۷-۱۰۸)

## رواداری کی نبوی مثال

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ، خلفائے راشدین کا عہد مسعود اور تاریخ اسلام ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جن میں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں، حتیٰ کہ دشمنوں سے بھی رواداری کا سلوک کیا گیا اور یہی اسلامی رواداری، تبلیغ و دعوت دین کا اہم عنصر بن گئی۔

مسلم کی حدیث ہے اور امام بخاری نے بھی انھی الفاظ اور اسی مفہوم کے ساتھ ذرا مختصراً اسے بیان کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر نجد کی طرف بھیجا۔ اہل لشکر بنو حنیفہ کے ایک شخص کو جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا اور جو اہل یمامہ کا سردار تھا، پکڑ کر لائے۔ لشکر والوں نے اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا تو اس سے پوچھا: تیرے پاس کیا ہے؟ ثمامہ نے جواب دیا: اے محمدؐ، میرے پاس بھلائی ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایک ایسے شخص کو قتل کریں گے جو قتل کیے جانے کا مستحق ہے، اور اگر انعام کریں گے تو ایک ایسے شخص پر انعام کریں گے جو شکر گزار اور جاننا ہے، اور اگر آپ مال کے طلب گار ہیں تو حکم دیجیے جو کچھ مانگیں آپ کو ملے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسی حالت میں چھوڑ دیا اور آگے بڑھ گئے۔

دوسرا دن آیا تو آپؐ نے پھر وہی سوال کیا: اے ثمامہ! تیرے پاس کیا ہے؟

ثمامہ نے کہا: وہی جو میں کہہ چکا ہوں۔ اگر آپ انعام کریں گے تو ایک شکر گزار شخص پر انعام کریں گے، اور اگر قتل کا حکم دیں گے تو میں مستحق قتل ہوں، اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو جو حکم ہوگا ادا کیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر کوئی کارروائی نہ کی اور آگے بڑھ گئے۔ تیسرا دن آیا تو پھر یہی مکالمہ دہرایا گیا۔ آخر کار رسول اللہ نے اہل لشکر سے کہا: ثمامہ کو چھوڑ دو۔

رہائی کے بعد ثمامہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے درخت کے پاس گیا۔ وہاں اس نے غسل کیا۔ پھر مسجد میں داخل ہوا اور اعلان کیا: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔“

پھر ثمامہ نے رسول اللہ کو مخاطب کر کے کہا: اے محمد! خدا کی قسم! اس زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ قابل نفرت نہ تھا اور اب آپ کا چہرہ دنیا کے تمام چہروں سے زیادہ مجھے محبوب



ہے۔ خدا کی قسم! آپ کے دین سے زیادہ کوئی دین بھی میرے لیے قابل نفرت نہ تھا اور اب آپ کا دین دنیا کے تمام ادیان سے زیادہ میرے لیے محبوب ہے۔ خدا کی قسم! آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر بھی میرے لیے نفرت انگیز نہیں تھا، اور اب آپ کا شہر دنیا کے تمام شہروں سے زیادہ مجھے محبوب ہے۔ آپ کے لشکر نے مجھے اس حالت میں آلیا کہ میں عمرہ کا ارادہ کر رہا تھا۔ اب آپ کا کیا حکم ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے اسے خوش خبری دی اور اجازت دی کہ وہ عمرہ کر لے۔ جب وہ مکہ واپس آیا تو اس کے مشرک ساتھیوں نے کہا: کیا تو صابی (بے دین) ہو گیا ہے؟ اس نے جواب دیا: نہیں، بلکہ میں رسول اللہ پر ایمان لے آیا اور مسلمان ہو گیا ہوں۔

### امن و سلامتی کا قیام

اسلام کے تصور امن پر گفتگو کے لیے ناگزیر ہے کہ قرآن کریم کی ان آیات پر پہلے بحث کی جائے جو جنگ و جدال کو موضوع بناتی ہیں اور جنہیں مغربی مصنفین نے آیات سیف (sword verses) کا نام دیا ہے۔ ان آیات میں سے بہترین انتخاب سورہ انفال کی ۵۵ تا ۶۱ آیتیں ہیں کیونکہ یہ موضوع کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں:

یقیناً اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والی مخلوق میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو ماننے سے انکار کر دیا، پھر کسی طرح وہ اسے قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ ان میں سے وہ لوگ جن کے ساتھ تو نے معاہدہ کیا پھر وہ ہر موقع پر اس کو توڑتے ہیں اور ذرا خدا کا خوف نہیں کرتے۔ پس یہ لوگ اگر تمہیں لڑائی میں مل جائیں تو ان کی ایسی خبر لو کہ ان کے بعد دوسرے جو لوگ ایسی روش اختیار کرنے والے ہوں ان کے حواس باختہ ہو جائیں۔ توقع ہے کہ بدعہدوں کے اس انجام سے وہ سبق لیں گے۔ اور اگر کبھی تمہیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو اس کے معاہدے کو علانیہ اس کے آگے پھینک دو، یقیناً اللہ خائسوں کو پسند نہیں کرتا۔ منکرین حق اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ وہ بازی لے گئے۔ یقیناً وہ ہم کو ہرانہیں سکتے اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے لگھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیا رکھتا کہ

اس کے ذریعے سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور اُن دوسرے دشمنوں کو خوف زدہ کر دو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا۔ اور اے نبی! اگر دشمن صلح و سلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو۔ یقیناً وہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ (انفال ۸: ۵۵-۶۱)

علمائے صراحت کی ہے کہ قرآن میں جہاں قتال و جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور مخالفوں کو سختی سے کچلنے کی تاکید کی گئی ہے: اس سے مراد وہ کفار و مشرکین ہیں جنہوں نے آغا اسلام سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ پر ایمان لانے والے صحابہ کرامؓ کی بھرپور مخالفت کی۔ انہیں مکہ میں تمام بنیادی حقوق سے محروم رکھا اور اپنی ریشہ دوانیوں سے اسلام کو کچلنے کی سازش کی۔ اپنے مسلسل ظالمانہ اقدامات سے مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ ۶۱۵ء-۶۱۶ء میں حبشہ کی طرف ہجرت کریں اور ۶۲۲ء میں اپنا وطن ترک کر کے مستقل طور سے مدینہ منورہ کو اپنا مستقر بنائیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو ایک اندازے کے مطابق ۹۰ جنگی مہموں میں پھنسا یا جن میں سے ۲۷ جنگوں کی قیادت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود کرنا پڑی۔ اگرچہ ان جنگی مہموں میں دشمنوں کے کل ۲۱۶ افراد مارے گئے اور ۱۳۸ مسلمان شہید ہوئے۔ اعلان جنگ کی یہ مسلسل کیفیت کفار و مشرکین کی جانب سے تھوپی ہوئی تھی اور مسلمانوں کو اپنے دفاع پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود مکہ کے ۱۳ سالہ دور میں انہیں سخت تاکید تھی کہ ظلم کے جواب میں ہتھیار نہ اٹھائیں:

الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ يَدْعُونَ لَا يَجْعَلُونَ لِلْكَافِرِينَ مَوَدَّةَ الَّذِينَ هُمْ يَدْعُونَ وَلَا يَبْتَاعُونَ بِالَّذِينَ هُمْ يَدْعُونَ مَا بَدَّ لَهُمْ مِنَ الْمَالِ لِيَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ يَدْعُوهُم مِّنْ دُونِ اللَّهِ وَاللَّهُ يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ (النساء: ۱۳۶)

رو کے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

اور دعوت و تبلیغ، وعظ و نصیحت اور تفہیم و تلقین کے راستوں سے اس قرآن کے ذریعے جہاد کریں:

فَلَا تَطْعَمُ الْكُفْرَيْنِ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ۝ (الفرقان ۲۵: ۵۲)

اے نبی! کافروں کی بات ہرگز نہ مانو اور اس قرآن کو لے کر ان کے ساتھ زبردست جہاد کرو۔

ہجرتِ مدینہ کے بعد جب اسلامی ریاست قائم ہوگئی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیثاقِ مدینہ کے مطابق اُس ریاست کا بلا نزاع حاکم مطلق اور مقتدر اعلیٰ تسلیم کر لیا گیا تب ذی الحجہ یکم ہجری میں انھیں ظلم کے جواب میں مدافعتاً جہاد کی اجازت مل سکی:

اُدْنِ لِلَّذِينَ يُقْتُلُونَ بِاَنَّهُمْ ظَلَمُوا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ (الحج ۲۲:۳۹) اجازت دے دی گئی اُن لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے، کیونکہ

وہ مظلوم ہیں، اور اللہ یقیناً اُن کی مدد پر قادر ہے۔

سورۃ انفال کی آیات ۵۵-۶۱ میں جن منکرینِ حق کے خلاف اعلانِ جنگ کیا گیا ہے اور انھیں سبق سکھانے کا حکم دیا گیا ہے اُن سے مراد مفسرینِ کرام کی تصریحات کے مطابق یہودِ مدینہ ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف آوری کے بعد سب سے پہلے انھی کے ساتھ باہمی تعاون کا معاہدہ کیا تھا اور یہ کوشش کی تھی کہ ان سے تعلقات خوش گوار رہیں۔ دینی و مذہبی حیثیت سے ویسے بھی یہودی اور عیسائی مشرکین کے مقابلے میں قابلِ ترجیح قرار دیے گئے تھے مگر مدینہ کے یہودیوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک اور مشن کو کبھی کھلے دل سے قبول نہ کیا اور انھوں نے اسلام کے بڑھتے ہوئے اثرات و نتائج کو روکنے کے لیے ہمیشہ خفیہ و علانیہ سازشیں کیں۔ منافقوں کے ساتھ مل کر اہل ایمان کے خلاف ساز باز کی۔ اوس و خزرج کے انصاری قبیلوں کے درمیان پرانی عداوتوں کو ہوا دی۔ جنگِ بدر کے بعد جب مسلمانوں کی پوزیشن مزید مضبوط ہوگئی تو اُن کے سینوں میں حسد کی جو آگ پہلے سے موجود تھی وہ بھڑک اُٹھی۔ یہودیوں کا لیڈر کعب بن اشرف خود ملکہ گیا اور اس نے اشتعال انگیز مرثیے کہہ کر قریش کے جذبہ انتقام کو ہوا دی اور آخر میں قبیلہ بنو قریظہ نے مسلمان خواتین سے اپنی بستیوں اور بازاروں میں چھیڑ چھاڑ کرنا شروع کر دیا اور جب انھیں لعنتِ ملامت کی گئی تو انھوں نے جنگ کی دھمکی بھی دے ڈالی۔ ایسے بدعہد اور سازشی دشمنوں کے خلاف اسلامی حکومت کو کارروائی کرنے اور میدانِ جنگ میں انھیں سزا دینے کا فیصلہ ہوا۔

غیر مسلموں کے ساتھ حُسنِ سلوک

مجرد کفر اور شرک کسی کے خلاف اعلانِ جنگ کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ کسی شخص کے خلاف پُر تشدد کارروائی اور طاقت کا استعمال اس بنا پر نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مسلمان نہیں ہے اور

کفر و شرک پر اُس کا اعتقاد ہے۔ پوری اسلامی تاریخ میں اس پر علمائے کرام، محدثین اور فقہاء کا اتفاق رہا ہے۔ اسی طرح کسی شخص کو بزور یا طاقت کے استعمال سے دین اسلام میں داخل نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ قرآن تو یہاں تک کہتا ہے کہ جو غیر مسلم اہل ایمان کے ساتھ عداوت نہیں رکھتا اور اُن پر ظلم کرنے والوں میں وہ شامل نہیں ہے اُس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے، اور عام انسانی حقوق کی ادائیگی کے معاملے میں مسلمان اور غیر مسلم میں فرق نہ کیا جائے۔ ایسے لوگ مسلمانوں کے حسن سلوک کے مستحق ہیں:

اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم اُن لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (الممتحنہ ۶۰:۸)

### محببتوں کی بستی

اسلام افراد کے ضمیر میں، خاندانی نظام میں، ملکی قانون میں، بین الاقوامی تعلقات و روابط میں، ہر جگہ زندگی کے ہر شعبے میں امن و سلامتی اور محبت و اخوت کے پھول کھلانا چاہتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے باہمی معاملات کی استواری اور ان کے درمیان اُلفت اور بھائی چارے کے فروغ کی مثال دیتے ہوئے فرمایا: ”تم دیکھو گے کہ مسلمانوں کے درمیان محبت، ایک دوسرے پر رحم اور شفقت کی مثال ایک جسم کی مانند ہے۔ جب اس کے کسی حصے کو تکلیف ہو تو سارا جسم بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے“۔ (بخاری، کتاب الادب، حدیث ۲۷)

رسول اللہ نے فرمایا: ”اے مسلمانو! ایک دوسرے سے بُغض نہ رکھو، آپس میں حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو۔ اے اللہ کے بندو، بھائی بھائی بن کر رہو“۔ (بخاری)

اللہ اپنی صفت رحمن، رحیم، سلام، مومن اور مہین بتاتا ہے اور بار بار قرآن کریم میں تکرار کے ساتھ ان اسمائے حسنیٰ کا تذکرہ کرتا ہے تاکہ اس کے بندوں میں اس کا عکس دکھائی دے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ اپنے اس احسانِ خصوصی کا ذکر کرتا ہے کہ وہ رحیم، نرم خو، شفیق اور مہربان ہیں:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ

حَوْلِكَ (ال عمران: ۱۵۹) اے پیغمبر! یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر کہیں تم ٹنڈ خوار سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ وَرَحِيمٌ ۝ (التوبہ: ۹) دیکھو، تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اُس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔

یہ رحمت و مہربانی اور شفقت صرف اہل اسلام کے لیے مطلوب نہیں ہے، اس کے مخاطب سارے انسان ہیں خواہ وہ کسی مذہب کے ماننے والے ہوں اور کسی بھی ملک کے باشندے ہوں۔ اللہ کے رسول نے ارشاد فرمایا: ”زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والوں پر رحم کرے گا“۔ (ترمذی)

### دیگر مذاہب کا احترام

کسی انسان کے اندر رحمت و شفقت اور مہربانی کے جذبات کو ابھارنے کی اس سے آخری حد کیا ہو سکتی ہے؟ یہ کارنامہ اسی عقیدہ کا ہو سکتا ہے جو خالق کی وحدانیت اور مخلوق کی وحدت پر ایمان رکھتا ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے اعلان فرمایا ہے: ”ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا خاندان ہے۔ تمام لوگوں میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اُس کے خاندان کے ساتھ حسن سلوک کرے“۔ (رواہ ابویعلیٰ، والبرزاز باسناد ضعیف)

حضرت جابر عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ ہمارے قریب سے ایک جنازہ گزرا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور ہم بھی کھڑے ہو گئے۔ پھر ہم نے گزارش کی: یا رسول اللہ! یہ تو ایک یہودی کا جنازہ تھا۔ حضور نے ارشاد فرمایا: کیا یہ ایک انسانی جان نہ تھی؟ جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ۔ (بخاری)

### حقوق نسواں کا تحفظ

قرآن کریم نے چھٹی صدی عیسوی میں مرد اور عورت کے درمیان فرق و امتیاز کو ختم کر کے

انہیں یکساں عزت و احترام اور وقار و تمکنت سے ہم کنار کرنے کا جو قدم اٹھایا وہ اتنا انقلاب آفریں تھا کہ اس کے نتیجے میں فکر و نظر کی دنیا ہی بدل گئی۔ عورت کی حیثیت اور مقام و مرتبہ کے تعین میں اسلام نے تمام مذاہب کو پیچھے چھوڑ دیا۔ اسلام کے سایے میں عورت کے بارے میں مردوں کا پورا نقطہ نظر اور عملی رویہ بدل گیا، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد خواتین نے ایک نئی تاریخ رقم کی جس کی مثال پہلے بھی موجود نہ تھی اور آج کے نام نہاد ترقی یافتہ دور میں بھی ناپید ہے۔ قرآن نے پورے زور و شور سے اعلان کیا:

لوگو، اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے۔ اُس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔ (النساء: ۱۰۴)

قرآن نے صراحت کر دی کہ مرد اور عورت دونوں ایک جان سے پیدا کیے گئے ہیں اس لیے اُن میں سے کوئی برتر یا کم تر نہیں ہے۔ نہ مرد افضل ہے اور نہ عورت حقیر اور ذلیل ہے۔ دونوں کی اہمیت اور مقام و مرتبہ ایک ہے۔ قرآن دوسرے مذاہب کے اس خیال کی تائید نہیں کرتا کہ مرد کی بہ نسبت عورت کو ایک حقیر مادے سے پیدا کیا گیا ہے اور عورت کو کم تر مقام اور طفلی کا درجہ دیا گیا ہے۔ عورت کے خلاف ایک اور زہر بھرا تصور ماضی میں موجود رہا ہے اور اس کی نشانیاں آج بھی کلاسیکی ادب میں موجود ہیں، وہ یہ کہ عورت گناہ کی جڑ ہے۔ اس تصور کے مطابق مرد ہر گناہ سے محفوظ اور پاک ہے۔ یہ عورت ہے جو اس کو گناہ کے راستے پر ڈال دیتی ہے۔ ان حضرات کے مطابق شیطان براہ راست مرد کو گمراہ نہیں کر سکتا۔ وہ عورت کو واسطہ بنا کر مرد کو ورغلا تا ہے۔ شیطان پہلے عورت کو پھسلاتا ہے اور پھر عورت مرد کو دعوتِ گناہ دیتی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ آدم کو شیطان نے ورغلا یا تھا اور نتیجے کے طور پر انہیں جنت سے نکلنا پڑا تھا۔ اس میں بھی حوا ہی واسطہ بنی تھیں۔

قرآن نے ان تمام نظریات کی تردید کی اور اعلان کیا کہ سارے انسان ایک جان سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان سب کی اصل ایک ہے۔ پیدائشی طور پر نہ کوئی شریف ہے نہ رذیل، نہ اونچی ذات کا ہے نہ نیچی ذات کا، نہ برتر ہے نہ کم تر۔ سارے انسان برابر ہیں۔ خاندان، قبیلہ، رنگ و نسل،

ملک و قوم، زبان، پیشہ اور صنف کی بنیاد پر اُن کے درمیان کوئی تفریق کرنا غلط ہے۔  
 قرآن جب حضرت آدمؑ کے قصے کا تذکرہ کرتا ہے تو یہ تسلیم نہیں کرتا کہ شیطان نے یا سانپ نے حواؑ کو گمراہ کیا اور حواؑ آدمؑ کی گمراہی کا سبب بنیں۔ وہ ایک الگ ہی منظر کا نقشہ پیش کرتا ہے جس میں آدمؑ حواؑ دونوں برابر کی ذمہ دار شخصیت ہیں۔ شیطان نے دونوں کو دھوکا دیا اور دونوں اس سے دھوکا کھا گئے اور انھوں نے ممنوعہ درخت کا پھل چکھ لیا۔ اللہ کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے دونوں سے خدا کی حفاظت اٹھالی گئی، اُن کا پردہ کھول دیا گیا اور انھیں خود اپنے نفس کے حوالے کر دیا گیا کہ اپنی پردہ پوشی کا انتظام خود کریں۔ جب اُن دونوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انھوں نے فوراً کسی تاخیر کے بغیر توبہ و ندامت کی راہ اپنائی۔ اللہ کے حضور دونوں معافی کے خواست گار ہوئے۔ اللہ نے دونوں کی توبہ قبول کی اور انھیں معاف کر دیا۔ پھر خلافتِ ارضی کے خدائی منصوبے میں رنگ بھرنے کے لیے دونوں کو جنت سے اُتار کر اس زمین پر بھیجا گیا اور دونوں نے مل کر اس کائنات کی بزم سچائی۔

#### صنفاى تفریق کا خاتمہ

قرآن نے اس جاہلانہ تصور کی بھی بیخ کنی کی کہ عورت خدا کا قرب حاصل نہیں کر سکتی، اور یہ کہ عورت ہونے کا مطلب نصف شیطان ہونا ہے، اور یہ کہ وہ برائی کی جڑ ہے۔ قرآن نے پوری قوت کے ساتھ باور کرایا کہ خدا کا قرب اور جنت میں داخلہ کسی مخصوص جنس کے لیے نہیں ہے۔ اس کی بنیاد تو عمل صالح ہے خواہ مرد نے کیا ہو یا عورت نے۔ قرآن کہتا ہے:

مَنْ عَمِلْ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوَةً طَيِّبَةً  
 وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ٥ (النحل ۹۷:۱۶) جو شخص  
 بھی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مؤمن، اسے ہم دنیا میں  
 پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو اُن کے اجر اُن کے  
 بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔

یہاں قرآن کریم نے اس غلط فہمی کو رفع کیا ہے کہ دیانت اور پرہیزگاری کی زندگی گزارنے والوں کی دنیا ضرور بگڑتی ہے، بھلے ہی اُن کی آخرت سنو جاتی ہو مگر دنیا میں وہ ناکام و نامراد

رہتے ہیں۔ حیاتِ طیبہ کی یہ قابل فخر زندگی اور آخرت میں ملنے والے بہتر سے بہتر اجر اور اونچے سے اونچا مرتبہ ہر شخص کو ملے گا جو اس دنیا میں حسن ایمان اور حسن عمل سے آراستہ ہوگا۔ اس میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی تفریق نہیں رکھی گئی ہے۔

قرآن عورت کو بیٹی، بہن، بیوی اور ماں بنا کر اس کا مرتبہ اس طرح بلند کرتا ہے کہ ان حیثیتوں میں اس کو تمام سماجی، معاشی، مذہبی اور تعلیمی حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رویے اور عمل سے تمام شعبوں میں عورت کو تمام حقوق اس طرح عطا کیے جس طرح مرد کو عطا کیے گئے تھے تاکہ وہ بھی مرد کی طرح اپنے فرائض کی اداگی میں ہمہ وقت کوشاں رہے۔

### فرائض کی فطری تقسیم

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مرد اور عورت کے فرائض یکساں ہیں۔ زندگی کے دو بازو اور شریک کار ہونے کے سبب دونوں کے بطور انسان یکساں حقوق و اختیارات ہیں، لیکن عملی میدان میں دونوں کے کام کی نوعیت اور بیعت میں واضح فرق ہے، اور اس فرق کا سبب دونوں جنسوں کے جسمانی، نفسیاتی، طبی اور فطری عوامل میں پوشیدہ ہے۔ یہاں یہ نکتہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ ان دونوں کے اختلاف کار کا مقصد کسی ایک جنس کا برتر اور دوسری جنس کا کم تر ہونا نہیں ہے۔ یہ دونوں کی الگ الگ قدرتی صلاحیتوں، رجحانات، میلانات، جذبات و محرکات، استعداد اور فضیلتوں کی بدولت تقسیم کار ہے۔ یہی وہ پس منظر ہے جس میں قرآن نے خاندان کی معاشی کفالت کی ذمہ داری کا بوجھ مرد کے مضبوط کندھوں پر رکھا ہے اور اسے نگراں اور قوام بنایا ہے:

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ط (النساء: ۳۴:۳) مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے اُن میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔

ورنہ قرآن مردوں اور عورتوں کو یکساں سمجھتا ہے۔ وہ دونوں کو بنی نوع انسان تسلیم کرتا ہے اور دونوں کو یکساں حقوق و مراعات عطا کرتا ہے۔ بطور مثال چند آیات یہاں نقل کی جا رہی ہیں، جن میں مردوں اور عورتوں کی ذمہ داری واضح کی گئی ہے:



مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی۔ یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانایا ہے۔ (التوبہ ۹: ۷۱)

بالیقیں جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ دینے والے ہیں، روزے رکھنے والے ہیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں، اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔ (احزاب ۳۳: ۳۵)

### سماجی زندگی میں شریکت

اسلام نے عورتوں کی سرگرمیوں کو گھر میں امن و سکون کی افزائش اور بچوں کی دینی تعلیم و تربیت نیز علمی و فکری خدمات تک محدود نہیں رکھا بلکہ انھیں ایک وسیع میدان فراہم کیا تا کہ وہ عملی جدوجہد میں برابر کی شرکت کر سکیں۔ خواتین جس طرح شعر و ادب اور علم و فن کے ذریعے ترقی کر سکتی ہیں اسی طرح وہ زراعت، تجارت اور دوسرے میدانوں میں بھی معاشرے کی ضرورت اور وقت کی پکار کے مطابق اپنا حصہ ادا کر سکتی ہیں۔

اسلام میں انسانی حقوق کے اس تصور سے یہ حقیقت اُجاگر ہو کر سامنے آ جاتی ہے کہ آج کے جدید دور میں بھی انسانی حقوق کا اگر کوئی ضامن ہے تو وہ اسلام ہی ہے، نہ کہ جدید مغرب کہ جہاں حجاب پر پابندی عائد کی جا رہی ہے، اور مساجد کو دہشت گردی کی علامت قرار دیا جا رہا ہے۔ یہ اسلام ہی ہے جو ہر شخص کو آزادی عطا کرتا ہے کہ وہ کفر و اسلام میں سے جس راہ کو چاہے منتخب کر سکتا ہے اور اس کے لیے اس پر کوئی جبر نہیں۔ کیا مغرب اپنے تمام تر جدید افکار کے ساتھ اس رواداری کا مظاہرہ کر سکتا ہے؟